سلسلۂ اشاعت نمبر ۵

حسین و یزید

از

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

مترجمہ

عبدالرزاق ملیح آبادی

قیمت ۵ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے شیعوں کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

علماء اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہ کو ابوبکر، عمر، عثمان، علی (رضی اللہ عنہم) کی طرح خلفاء راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ البتہ جاہل گروہوں وغیرہ کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یزید کو صحابہ خلفاء راشدین بلکہ انبیاء میں سے قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ جاہل ہیں اور ان کے خیالات ناقابل التفات۔ علماء اہل سنت اس حدیث کے بموجب کہ "خلافت، منہاج نبوت پر تیس برس رہے گی، پھر سلطنت ہو جائیگی" یزید اور اس کے جیسے اموی اور عباسی خلفاء کو محض فرمانروا، بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل درست اور ایک محسوس واقعہ ہے اور اس سے انکار ناممکن ہے۔ کیونکہ یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ، حکمران، صاحب سیف اور خود مختار فرمانروا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا اور شام، مصر، عراق، خراسان

دنیائے اسلام کی حکومت نہ تھی ؛

پس اگر اہل سنت اِن پادشاہوں مین سے کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہین تو اس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ مین خود مختار تھا' طاقتور تھا' صاحب سیف تھا' دیتا لیتا تھا' عزل و نصب کرتا تھا' اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا' حدود شرعی قائم کرتا تھا' کفار پر جہاد کرتا تھا۔ یزید کو بھی امام و خلیفہ کہنے سے یہی مطلب ہے اور یہ ایک ایسی واقعی بات ہے کہ اس کا انکار ناممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ ابوبکر' عمر' عثمان' حکمران نہین تھے یا قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہین کی ؛

فصل

رہا یہ مسئلہ کہ یزید' عبدالملک' منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد؟ صالح تھے یا فاجر؟ تو علماء اہل سنت نہ انھین معصوم سمجھتے ہین نہ اُن کے احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہین اور نہ ہر بات مین اُن کی اطاعت کو واجب تصوّر کرتے ہین۔ البتہ اہل سنت کا خیال یہ ضرور ہے کہ عبادت و طاعت کے بہت سے کام ایسے ہین

وغیرہ اسلامی ممالک مین اس کا حکم چلا - امام حسین علیہ السلام قبل اسکے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہون - یوم عاشوراء ۶۱ھ مین شہید ہو گئے - اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے ؛

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن الزبیر نے یزید سے اختلاف کیا اور باشندگانِ مکہ و حجاز نے اُن کا ساتھ دیا' لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اُنہون نے خلافت کا دعوے یزید کی زندگی مین نہین بلکہ اُس کے مرنے کے بعد کیا - بلکہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شروع شروع اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن الزبیرؓ یزید کے جیتے جی ہی اُس کی بیعت پر رضامند ہو گئے تھے - مگر چونکہ اُسنے یہ شرط لگادی تھی کہ قید ہو کر اُس کے حضور مین حاضر ہون اس لئے بیعت رہ گئی - اور باہم جنگ برپا ہوئی - پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا حکمران نہین ہوا اور عبداللہ بن الزبیرؓ کا ماتحت علاقہ اُس کی اطاعت سے برابر برگشتہ رہا' تاہم اِس سے اُس کی پادشاہت اور خلافت مین شبہ نہین ہوسکتا - کیونکہ خلفاء ثلاثہ : ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور پھر معاویہ بن ابی سفیان' عبدالملک بن مروان' اور اُس کی اولاد کے علاوہ کوئی بھی اُموی یا عبّاسی خلیفہ تمام بلاد اسلامیہ کا تنہا فرمانروا نہین ہوا - حتیٰ کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مین بھی تمام

غرضکہ امت کی مصلحتون کا لحاظ مقدم ہے۔ اگر کسی فعل مین بھلائی اور برائی دونون موجود ہون تو دیکھا جائیگا کس کا پلہ بھاری ہے۔ اگر بھلائی زیادہ نظر آے تو اُس فعل کو پسند کیا جائے گا۔ اگر بُرائی غالب دکھائی دے تو اُس کے ترک کو ترجیح دی جاے گی۔ اللہ تعالے نے نبی صلعم کو اسی لئے مبعوث فرمایا ہے کہ مصالح کی تائید و تکمیل کرین اور مفاسد کی تقلیل وازالہ۔ یزید، عبدالملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لئے کی گئی کہ اُن کی مخالفت مین اُمت کے لئے مصلحت سے زیادہ مضرت تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اِن خلفاء پر جن لوگون نے خروج کیا اُن سے امت کو سراسر نقصان ہی پہنچا، نفع ذرا بھی نہین ہوا۔ بلاشبہ اِن خروج کرنے والون مین بڑے بڑے اخیار و فضلاء بھی شامل تھے، مگر اُن کی نیکی و خوبی سے ان کا فعل مفید نہین ہوسکتا۔ اُنھون نے اپنے خروج سے نہ دین ہی قایم کیا نہ دنیا ہی بنائی۔ اور معلوم ہے اللہ تعالی کسی ایسے فعل کا حکم نہین دیتا جس مین نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا۔ جن لوگون نے خروج کیا اُن سے کہین زیادہ افضل حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عایشہؓ وغیرھم صحابہ تھے۔ مگر خود اُنھون نے اپنی خونریزی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

جن میں ہیں ان حکام کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں قایم کرتے ہیں انکے ساتھ کفار پر جہاد کرتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں اُن سے مدد ملتی ہے، وغیرہ وغیرہ امور کہ اگر حکام نہ ہوں تو ان کا ضایع ہو جانا اغلب بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی ناممکن ہے۔

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اعمال صالح انجام دینے میں اگر نیکوں کے ساتھ بد بھی شامل ہوں تو اس سے نیکوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلاشبہ یہ بالکل درست ہے کہ اگر عادل و صالح امام کا نصب ممکن ہو تو فاجر و مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر و مبتدع ہوں تو ظاہر ہے حدود شرعیہ و عبادات دینیہ کے قیام کیلئے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے کو منتخب کیا جائیگا۔ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر جنگ میں ایک صالح مگر سپہ سالاری کے ناقابل شخص موجود ہو اور دوسرا فاجر مگر سپہ سالاری کا اہل ہو تو یقیناً اسی آخر الذکر فاجر کو امام بنانا پڑے گا۔ نیکی کے کاموں میں اُس کی اطاعت و امداد کی جائیگی بدی اور شرارت میں اُس پر اعتراض و انکار کیا جائیگا۔

کہدیا" اے شہید! ہم تجھے خدا کو سونپتے ہین!" اور بعضون نے کہا" اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے۔ اور ہرگز جانے نہ دیتے!" اِس مشورہ سے اِن لوگون کے مدنظر صرف آپ کی خیرخواہی اور مسلمانون کی مصلحت تھی۔ مگر حضرت امام نے نہ مانا۔ آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت امام حسین کے روکنے والون ہی کی رائے درست تھی۔ کیونکہ آپ کے خروج سے ہرگز کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہین ہوئی۔ بلکہ اُلٹے یہ مضرت پیدا ہوئی کہ سرکشون اور ظالمون کو پیغمبر خدا (صلعم) کے جگر گوشے پر قابو مل گیا اور اُنھون نے اُسے مظلوم شہید کر ڈالا۔ آپ کے خروج اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے، وہ ہرگز واقع نہ ہوتے اگر آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے۔ کیونکہ وہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شر و فساد کے دفعیہ کے لئے آپ اُٹھے تھے اُس مین سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ بلکہ اُلٹے شر کو غلبہ و عروج حاصل ہو گیا۔ خیر و صلاح مین کمی آ گئی، اور ایک عظیم الشان دائمی فتنہ کا دروازہ کھل گیا جسطرح حضرت عثمان کے قتل سے فتنے پھیلے اُسی طرح حضرت حسین کے قتل نے بھی فتنون کے سیلاب بہا دیئے ؏

یہی وجہ ہے کہ حسن بصری، حجاج بن یوسف ثقفی پر بغاوت سے روکتے اور کہتے تھے "حجاج اللہ کا عذاب ہے۔ اُسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ خدا کے سامنے تضرّع وزاری کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے" وَلَقَدْ اَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ" طلق بن حبیب کہا کرتے تھے" تقویٰ کی سپر پر فتنہ کو روکو" پوچھا گیا تقویٰ کیا ہے؟" کہا" تقویٰ یہ ہے کہ بصیرت کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو، اس کی رحمت کی اُمید رکھو، اور بصیرت ہی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی سے اجتناب کرو، اس کے عذاب سے خوف کھاؤ" اسی طرح اور اخیار وابرار بھی خلفاء پر خروج اور عہد فتنہ مین جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیّب، امام زین العابدین علی بن حسین وغیرھم اکابر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم، جنگ حرّہ کے زمانہ مین یزید پر بغاوت کرنے سے روکتے تھے ؛

اسیطرح جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم وتقویٰ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث نے بہت بہت منت کی کہ وہان نہ جائین کیونکہ سمجھتے تھے آپ ضرور شہید ہوجائینگے۔ حتّیٰ کہ روانگی کے وقت بعضون نے تو یہانتک

میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر" چنانچہ
جس طرح آپ اپنی محبت میں دونوں کو یکسان شریک کرتے تھے اسی
طرح بعد میں یہ دونوں ان خانہ جنگیوں سے یکسان طور پر نفرت
کرتے تھے۔ حضرت اسامہ تو جنگ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے
تھے اور حضرت حسن ہمیشہ اپنے پدر و برادر (حضرت علی اور حسین علیہما السلام)
کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ پھر جب خود با اختیار ہوئے
تو جنگ سے دست بردار ہو گئے اور لڑنے والوں میں صلح قائم
کر دی۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی آخر میں یہہ حقیقت
روشن ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے
ختم ہو جانے ہی میں مصلحت ہے۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی
کربلا پہنچکر جنگ سے بیزار اور سرے سے دعویٰ امارت و خلافت ہی
سے دست بردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے "مجھے وطن لوٹ جانے دو"
اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا معاملہ کوئی خاص جداگانہ معاملہ
نہیں ہے بلکہ بالکل دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا ہے۔ یعنی جس
کسی نے طاعت الٰہی مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر
اور اقامتہ حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی، اسے اپنی اس نیکی
اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری پر ثواب ملیگا۔ چنانچہ اس زمانہ کے صالح

اس تفصیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلعم کا ائمہ وخلفائے کے ظلم پر صبر کرنے اور اُن سے جنگ وبغاوت نہ کرنے کا حکم بالکل مناسب اور امت کے دین ودُنیا کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ اور یہ کہ جنھوں نے بالقصد یا بلاقصد اس کی مخالفت کی ان کے فعل سے امت کو فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ نبی صلعم نے حضرت حسن کی تعریف میں فرمایا تھا "میرا یہ فرزند سردار ہے۔ عنقریب خدا اس کے ذریعے مسلمانون کے دو گروہون مین صلح کرادے گا" لیکن اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہین کی کہ وہ فتنہ مین پڑیگا یا خلفاء پر خروج کرے گا، یا اطاعت سے برگشتہ ہوگا، یا جماعت سے منحرف ہوگا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہون مین صلح کرانا اللہ اور اس کے رسول کی نظر مین مستحسن ومحبوب ہے۔ اور یہ کہ امام حسن کا خلافت سے دست بردار ہو کر مسلمانون کی خونریزی کا خاتمہ کردینا ان کے فضائل مین ایک عظیم ترین فضیلت ہے۔ کیونکہ اگر خانہ جنگی واجب ومستحب ہوتی تو آنحضرت اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ کرتے۔

یہان یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہین کہ نبی صلعم حضرت حسن اور حضرت اسامہ بن زید کو ایک ساتھ گود مین لیکر فرمایا کرتے تھے "خدایا

اکھاڑ گیا - پھر عہدِ عباسی میں خلیفہ منصور کے زمانہ میں محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسین کا فتنہ مدینہ میں اور اُن کے بھائی ابراھیم کا فتنہ بصرہ میں رونما ہوا ۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر زمانہ کا فتنہ علیحدہ حیثیت رکھتا ہے جس فتنے میں جیسے آدمی داخل تھے ویسا ہی اُس کا حکم ہے۔ سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان کی شہادت کا فتنہ ہے۔ اور وہی سب سے بڑا بھی ہے۔ اس کے متعلق حدیث مرفوع میں آیا ہے "تین فتنوں سے جو بچ نکلا وہ بچ نکلا؛ میری موت کا فتنہ، مظلوم خلیفہ کے قتل کا فتنہ، اور دجّال کا فتنہ" اسی فتنہ کے متعلق امیر المومنین عمر فاروق نے حضرت حُذیفہ سے پوچھا تھا کہ "وہ میں ہی تو نہیں ہوں"؟ انھوں نے کہا "نہیں آپ کے اور اُس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے"۔ حضرت عمر نے کہا "وہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا"؟ حذیفہ نے کہا توڑا جائے گا" اس پر حضرت عمر نے فرمایا "اگر کھولا جاتا تو اُسکا بند کیا جانا بھی ممکن تھا" چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت سے فتنہ کا دروازہ ٹوٹا اور ایسا ٹوٹا کہ پھر کبھی بند نہ ہو سکا۔ اسی فتنہ کا نتیجہ جنگ جمل، جنگ صفین اور بعد کے تمام دوسرے فتنے ہیں۔

مومنین مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن جس نے
ان پادشاہون کے جھوٹ کی تصدیق کی اور اُن کے ظلم مین مددگار
ہوا، وہ گنہگار ہے۔ زجر و توبیخ، مذمت اور سزا کا سزاوار ہے۔ یہی
باعث ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم یزید وغیرہ امرا کی ماتحتی مین
جہاد کو جاتے تھے۔ چنانچہ جب یزید نے اپنے باپ معاویہ کی زندگی
مین قسطنطنیہ پر حملہ کیا، تو اُس کی فوج مین حضرت ابوایوب انصاری
جیسے جلیل القدر صحابی بھی شریک تھے۔ یہ مسلمانون کی سب سے
پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور صحیح بخاری مین عبداللہ
ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا "سب سے پہلی جو فوج
قسطنطنیہ پر حملہ کرے گی اُس کی مغفرت ہوگی"

پھر جس طرح یزید کے زمانہ مین حضرت حسین کے قتل، حرہ کی جنگ
اور مکہ مین عبداللہ بن الزبیر کے محاصرہ کے واقعات پیش آئے۔
اُسی طرح اکثر خلفاء کے زمانون مین بڑے بڑے فتنے اُٹھتے رہے
ہین۔ چنانچہ مروان بن حکم کے زمانہ مین "مرج راھط" کا فتنہ اُٹھا
عبدالملک کے زمانہ مین عبداللہ بن الزبیر اور اُن کے بھائی
مُصعَب کے فتنے پیش آئے۔ اور کعبہ کا محاصرہ ہوا۔ ہشام
کے زمانہ مین ابومسلم کا فتنہ ظاہر ہوا اور بنی امیہ کو بیخ و بن سے

یا یہ کہ اس نے کہا:

لیت اشیاخی ببدر شھدوا

جزع الخزرج من وقع الاسل

(کاش میرے بدر والے بزرگ، نیزوں کی مار سے خزرج (انصار) کی دہشت دیکھتے)

قد قتلنا القرن من ساداتھم

وعدلنا ببدر فاعتدل

(ہم نے اُن کے سرداروں میں سے چوٹی کے سردار قتل کر ڈالے اور اس طرح بدر کا بدلہ اُتار دیا)

یہ تمام اقوال سراسر بہتان اور جھوٹ ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یزید مسلمان پادشاہوں میں سے ایک پادشاہ اور دنیادار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔ رہے امام حسین علیہ السلام تو بلاشبہ اُسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم و قہر کے ہاتھوں جامِ شہادت پی چکے تھے۔ لاریب حسین کا قتل اللہ اور اُس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی ہے۔ اِس سے وہ تمام آلودہ ہیں جنھوں نے آپکو اپنے ہاتھ سے قتل کیا یا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

قتلِ حسین اگرچہ امت کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے، لیکن

فصل

اس تفصیل کے بعد اب ہم کہتے ہین یزید کے بارے مین لوگون نے بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ ایک گروہ تو اُسے خلفاء راشدین بلکہ انبیاء مقربین مین سے سمجھتا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ دوسرا گروہ اُسے باطن مین کافر و منافق بتاتا اور کہتا ہے کہ اُس نے قصداً حضرت حسین کو شہید کیا اور مدینہ مین قتل عام کرایا تاکہ اپنے اُن رشتہ دارون کے خون کا انتقام لے جو بدر و خندق وغیرہ جنگون مین بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھون قتل ہوئے تھے اور یہ کہ حضرت حسین کی شہادت کے بعد اُسنے یہ شعر پڑھے تھے

لما بدت تلك الحمول واشرقت

تلك الرؤس على ربى جيرون

(جب وہ سواریان اور سر جیرون کی بلندیون پر نمودار ہوئے)

نعق الغراب فقلت نح اولا تنح

فلقد قضيت من النبي ديوني

(تو کوا چلایا۔ اس پر مین نے کہا تو نوحہ کر یا نہ کر مین نے تو نبی سے اپنا قرض پورا پورا وصول کرلیا)

حضرت حسین کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی حدیث ہے کہ میرے باپ نے نبی صلعم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے "جو مسلمان بھی اپنی مصیبت کو (اگرچہ وہ کتنی ہی پرانی ہو گئی ہو) یاد کر کے صبر کرتا ہے تو خدا اُسے اتنا ہی ثواب دیتا ہے جتنا خود مصیبت نازل ہونے کے وقت صبر کرنے پر دے چکا ہے"۔

حضرت فاطمہ نے میدانِ کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کا ہیبت ناک قتل دیکھا تھا۔ اس لیے اُن کی یہ حدیث خاص طور پر قابل لحاظ اور ہر مسلمان کیلئے سرگرم دعوت ہے کہ حسین کی ناقابل فراموش مصیبت پر ہمیشہ صبر سے کام لے اور وہی کرے جو اللہ اور اُس کے رسول کو پسند ہے۔ یہ نہیں چاہیئے کہ فرط غم سے سینہ پیٹے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے بین شروع کر دے۔ یہ باتیں حرام ہیں۔ اللہ کو ناپسند ہیں۔ اور اللہ کا رسول اُن کے مرتکب سے برأت کا اعلان کر چکا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا "جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کئے، وہ ہم میں سے نہیں" نیز حدیث میں ہے کہ آپ نے صَالِقَہ، حَالِقَہ، شَاقَّہ سے اپنے تئیں بری بتایا ہے۔ صالقہ بین کرنے والی عورتیں ہیں۔ حالقہ غم سے بال منڈا ڈالنے والیاں ہیں اور شاقہ گریبان پھاڑنے والیاں ہیں" نیز فرمایا

خود حضرت امام کے حق میں ہرگز مصیبت نہیں بلکہ شہادت، عزت اور علوِ منزلت ہے۔ یہ سعادت بغیر مصائب و محن میں پڑے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ نبی کے یہ دونوں نواسے گہوارۂ اسلام میں پیدا ہوئے۔ امن و امان کی گود میں پڑھے پلے اور اُن ہولناک مصائب سے دُور رہے جن کے طوفانوں میں اُن کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے تھے، اس لئے شہداء خوش بخت کے اعلیٰ درجات و منازل تک پہنچنے کے لئے انھیں اِس کٹھن مرحلے سے گذرنا ضرور تھا۔ چنانچہ دونوں گذر گئے۔ ایک کو زہر دیا گیا، دوسرے کے گلے پر چھری پھیری گئی ؛

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسین کا قتل کسی حال میں بھی اُن انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ اور مصیبت نہیں جنھیں بنی اسرائیل قتل کیا کرتے تھے۔ اِسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی اُن کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کے لئے مصیبت تھا۔ یہ حوادث کتنے ہی دردناک ہوں بہر حال اُن پر صبر کرنا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہئے کیونکہ اِس سے خدا خوش ہوتا ہے۔ فرمایا :۔ "وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون"[1] نیز مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ میں خود

(۱) اور صابرین کو بشارت دے دیجئے جن پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مطابق ہوا کیونکہ انھون نے مسلمانون مین پھوٹ ڈالنا اور جماعت توڑنا چاہی تھی اور جو ایسا کرے اُس کا قتل واجب ہے۔ کیونکہ نبی صلعم فرما چکے ہین "اتفاق کی صورت مین جو تم مین پھوٹ ڈالنے آے اُسی قتل کر ڈالو" حسین بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لئے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے"۔ بلکہ بعضون نے تو یہان تک کہہ دیا کہ "اسلام مین اولین باغی حسین ہے" انکے مقابلہ مین دوسرا گروہ کہتا ہے "حسین امام برحق تھے' انکی اطاعت واجب تھی' اُنکے بغیر ایمان کا کوئی معاملہ بھی پورا نہین ہوسکتا جماعت اور جمعہ اُسی کے پیچھے درست ہے' جسے انھون نے قائم کیا اور جہاد نہین ہوسکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

ان دونون بے اعتدالیون کے درمیان اہل سنت ہین۔ وہ نہ یہ کہتے ہین نہ وہ کہتے ہین۔ اُن کا خیال ہے امام حسین مظلوم شہید کیے گئے۔ اور یہ کہ مذکورہ بالا حدیث اُن پر چسپان نہین ہوتی۔ کیونکہ جب انھین اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادہ (دعوی خلافت) سے دست بردار ہوگئے تھے۔ اور فرماتے تھے "مجھے وطن جانے دو' یا کسی سرحد پر مسلمانون کی فوج سے جا ملنے دو۔ یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو" مگر مخالفین نے اُنکی کوئی بات بھی نہ مانی اور اسیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انھون نے

"اُجرت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مر جائیگی تو خدا اُسے قیامت کے دن مصیبت اور تکلیف کا جامہ پہنائے گا"

اِسی قسم کی ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی تو آپ نے مارنے کا حکم دیا۔ سزا کے دوران میں اُس کا سر کُھل گیا تو لوگوں نے عرض کی "امیرالمومنین اس کا سر برہنہ ہو گیا ہے" فرمایا "کچھ پرواہ نہیں، اِس کی کوئی حرمت نہیں، کیونکہ یہ لوگوں کو مصیبت میں صبر کرنے سے منع کرتی ہے، حالانکہ خدا نے صبر کا حکم دیا ہے، اور یہ رونے کی ترغیب دیتی ہے، حالانکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے زندہ کو فتنہ میں ڈالتی ہے، مردہ کو تکلیف دیتی ہے، اپنے آنسو فروخت کرتی ہے اور دوسروں کے لئے بناوٹ سے روتی ہے، یہ تمہاری میّت پر نہیں روتی بلکہ تمہارا پیسہ لینے کے لئے آنسو بہاتی ہے"

فصل

جس طرح لوگوں نے یزید کے باب میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ اسی طرح بعضوں نے حضرت حسینؓ کے بارے میں بے اعتدالی برتی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے "اُن کا قتل درست اور شریعت کے

پھر ان کے مقابلہ مین دوسرا فرقہ ہے جو یوم عاشوراء مین مسرت اور خوشی کی بدعت کرتا ہے۔ کوفہ مین یہ دونون گروہ موجود تھے۔ شیعون کا سردار مختار بن عُبید الکذاب تھا اور ناصبیون کا سرگروہ حجّاج بن یوسف الثقفی۔

احادیث صحیحہ مین وارد ہے کہ نبی صلعم نے پیشگوئی کی تھی کہ قبیلۂ ثقیف مین عنقریب ایک کذّاب اور ایک مبیر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ یہ دونون پیدا ہوئے۔ مختار شیعی کذّاب تھا اور حجّاج ناصبی مبیر تھا۔ اول الذکر کی جماعت نے یوم عاشوراء مین رنج ایجاد کیا اور ثانی الذکر کی جماعت نے خوشی اور مسرت کے جلسے شروع کئے۔ پھر دونون طرف سے جھوٹی حدیثین بنائی گئین مثلاً یہ کہ "جس نے یوم عاشوراء مین اپنے اہل عیال کو خوب دیا لیا خدا پورے سال اُسے خوش رکھیگا" یا یہ کہ "جس نے عاشوراء کے دن سرمہ لگایا اُس کی آنکھین سال بھر آشوب نہ کرین گی اور جس نے غسل کیا سال بھر بیمار نہ ہوگا" چنانچہ بہت سے ناواقف ان اباطیل کو احادیث سمجھکر اُن پر عمل کرتے ہین عاشورہ کے دن سُرمہ لگاتے ہین، نہاتے ہین، خرچ کرتے ہین، اچھے کھانون کا اہتمام کرتے ہین۔ حالانکہ یہ سب بدعت کے کام ہین، اور حسین سے بغض للّہی رکھنے والون نے دل سے گھڑے ہین۔ ائمۂ اربعہ

نامنظور کر دیا کیونکہ اُس منظور کرنا اُن پر شرعاً واجب نہ تھا ؛

فصل

قتل حسین کی وجہ سے شیطان کو بدعتون اور ضلالتون کے پھیلانے کا خوب موقعہ ملا۔ چنانچہ کچھ لوگ یوم عاشورہ مین نوحہ و ماتم کرتے ہین منہہ پیٹتے ہین، روتے چلاتے ہین۔ بھوکے پیاسے رہتے ہین۔ مرثیئے پڑھتے ہین۔ یہی نہین بلکہ سلف صحابہ کو گالیان دیتے ہین، لعنت کرتے ہین اور اُن بے گناہ لوگون تک کو لپیٹ لیتے ہین جنھین واقعہ شہادت سے دور ونزدیک کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ سابقون الاولون مِنَ المہاجرینَ والانصار کو بھی گالیان دیتے ہین۔ پھر واقعہ شہادت کی جو کتابین پڑھتے ہین وہ زیادہ تر اکاذیب واباطیل کا مجموعہ ہین۔ اور اُن کی تصنیف واشاعت سے اُن کے مصنفون کا مقصد صرف یہ تھا کہ فتنہ کے نئے نئے دروازے کھولین اور اُمت مین پھوٹ بڑھتی جائے۔ یہ چیز باتفاق جملہ اہل اسلام نہ واجب ہے نہ مستحب۔ بلکہ اس طرح رونا پیٹنا اور پُرانی مصیبتون پر گریہ وزاری کرنا اعظم ترین محرمّات دینیہ مین سے ہے ؛

ازحد ملال تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر سے ایک عراقی نے پوچھا حالت احرام مین مکھی مارنا جائز ہے؟ انھون نے خفا ہوکر کہا " اے اہل عراق تمہین مکھی کی جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ رسول اللہ کے نواسے کو قتل کر چکے ہو"

بعض روایتون مین دانتون پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جو صحابی اس واقعہ مین موجود تھے وہ دمشق مین نہین عراق مین تھے۔ متعدد راویون سے مروی ہے کہ یزید نے حضرت حسین کے قتل کا حکم نہین دیا۔ اُسے اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔ بلکہ وہ تو اپنے باپ معاویہ کی وصیت کے مطابق اُن کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتا تھا۔ البتہ اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس پر خروج نہ کرین۔ امام حسین جب کربلا پہنچے اور اہل کوفہ کی بیوفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے۔ مگر مخالفون نے نہ انھین وطن واپس ہونے دیا نہ جہاد پر جانے دیا اور نہ یزید کے پاس بھیجنے پر رضامند ہوئے۔ بلکہ قید کرنا چاہا جسے انھون نے نامنظور کیا اور شہید ہو گئے یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے بلکہ یزید نے تو یہان تک کہا " ابن مرجانہ (عبیداللہ بن زیاد)

اور دوسرے اماموں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں لکھی۔ البتہ جمہور علماء کے نزدیک یوم عاشورہ کا روزہ مستحب ہے۔

فصل

جن لوگوں نے واقعہ شہادت قلمبند کیا ہے۔ اُن میں سے اکثروں نے بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے۔ جس طرح شہادتِ عثمان بیان کرنیوالوں نے کیا اور جیسے مغازی و فتوحات کے راویوں کا حال ہے حتیٰ کہ واقعہ شہادت کے مورخین میں سے بعض اہل علم مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ بھی بے بنیاد روائتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو اُن کے ہاں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔ صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اُس نے آپکے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کی مذمت کی مجلس میں حضرت انس اور ابو برزہ اسلمی دو صحابی موجود تھے۔ انس نے اسکی تردید کی اور کہا "آپ رسول اللہ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے" صرف حضرت انس ہی نہیں بلکہ اور صحابہ کو بھی آپ کی شہادت سے

سادات قتل کئے تھے کہ اُن کی عورتوں کے لئے ایک مرد بھی
باقی نہ بچا۔ پھر اوباشوں کو اُن کے پاس بھیجا اور انھیں سے سیدوں
کی موجودہ نسل ہے"! یہ سب سراسر کذب و افترا ہے' صداقت کا
اس میں شائبہ تک نہیں۔ بلاشبہ حجّاج بڑا ہی سفاک تھا اور اُسنے
عرب کے بکثرت سردار قتل کئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے
کہ اُس نے ایک ہاشمی بھی قتل نہیں کیا۔ اس لئے نہیں کہ اُن سے
کوئی خاص محبت تھی بلکہ اس لئے کہ عبدالملک بن مروان نے
اُسے تنبیہہ کر دی تھی کہ "خبردار بنی ہاشم سے چھیڑ نہ کرنا' کیونکہ
بنی حرب (خاندان معاویہ) اِن کے منھہ آکر اس حالت کو پہنچ چکے
ہیں"۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ خود بنی امیہ بھی بنی ہاشم کا بہت خیال
کرتے تھے۔ چنانچہ خود اسی حجاج نے (جو بنی امیہ کا سب سے
بڑا فدائی اور قوت بازو تھا) جب عبداللہ بن جعفر کی صاحبزادی سے
عقد کیا تو بنی امیہ اسے گوارا نہ کر سکے اور فوراً جدائی کرادی *

غرضیکہ تاریخ میں کہیں ثابت نہیں کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں
بھی کسی ہاشمی عورت کو کنیز بنایا ہو یا کبھی بنی امیہ اور یزید نے ایسا کیا ہو۔
بلکہ جب حسین کے پس ماندے یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اُن کی
مصیبت پر ایک ماتم بپا ہوگیا تھا۔ یزید اُن کے ساتھ نہایت مہربانی

پر خدا کی پھٹکار! واللہ اگر وہ خود حسین کا رشتہ دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا" اور کہا "بغیر قتل حسین کے بھی مین اہل عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا" پھر اُس نے حسین کے پس ماندون کی بڑی آو بھگت کی اور عزت کے ساتھ اُنھین مدینہ واپس پہونچا دیا؛

بلاشبہ یہ بھی درست ہے کہ یزید نے حسین کی طرفداری بھی نہین کی۔ نہ اُن کے قاتلون کو قتل کیا نہ اُن سے انتقام لیا۔ لیکن یہ کہنا بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اُس نے اہل بیت کی خاتونون کو کنیز بنایا۔ ملکون ملکون ہنڈایا اور بغیر کجاوہ کے اُنھین اُونٹ پر سوار کیا۔ الحمدللہ مسلمانون نے آجتک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہین کیا اور نہ اِسے امت محمدی نے کسی حال مین بھی جائز رکھا ہے؛

فصل

لیکن ہے یہ کہ غرض کے بندے اور جاہل جھوٹ بہت بولتے ہین۔ مثلاً مشہور کر دیا ہے کہ حجاج نے تمام سادات کو قتل کر ڈالا تھا۔ بلکہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک واعظ اور بعض علویوں مین جھگڑا ہو گیا۔ واعظ نے منبر پر سے کہا حجاج نے اتنے

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس باب میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اُس کا اکثر حصہ جھوٹ ہے۔ مثلاً یہ کہ اُس دن آسمان سے خون برسا تھا۔ حالانکہ کبھی کسی کے قتل پر ایسا نہیں ہوا۔ یا یہ کہ آسمان پر سُرخی چھا گئی تھی۔ یہ سب باتیں خرافات ہیں۔ آسمان پر سُرخی ہمیشہ چھایا کرتی ہے۔ اس کی طبعی علت آفتاب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں کچھ حسین کی خصوصیت نہیں۔ یا یہ کہ اُس دن ہر پتھر کے نیچے "تازہ خون موجود ملتا تھا۔ یہ سب غلط اور بے معنی باتیں ہیں۔ رہا امام زہری کا یہ کہنا کہ "حسین کے قاتلوں میں کوئی نہ بچا جسے دنیا ہی میں سزا نہ مل گئی ہو" تو بہت ممکن ہے درست ہو۔ کیونکہ جس گناہ پر بہت جلد سزا ملتی ہے وہ سرکشی ہے اور حسین پر سرکشی ایک بڑا گناہ تھا۔

فصل

یزید کی لعنت

یزید پر لعنت کرنا چاہیے یا نہیں؟ یہ مسئلہ صرف یزید کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اُس جیسے تمام دنیا دار خلفاء بھی اس میں

سے پیش آیا اور انھیں اختیار دیا کہ چاہیں تو زندگی بھر اُس کے ساتھ رہیں اور چاہیں مدینہ لوٹ جائیں۔ انھوں نے آخری صورت پسند کی اور اُس نے پوری عزت اور حرمت کے ساتھ واپس پہنچا دیا۔

یہ بالکل درست ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، حضرت حسین کا قتل عظیم ترین گناہوں میں سے ایک گناہ تھا۔ جنھوں نے یہ فعل کیا کیا، جنھوں نے اِس میں مدد کی جو اِس سے خوش ہوئے وہ سب کے سب اُس عتاب الٰہی کے سزاوار ہیں جو ایسے لوگوں کے حصّہ میں آنا چاہئے۔ لیکن حسین کے قتل کو اِتنی مبالغہ آمیز اہمیت دینا بھی درست نہیں۔ حسین کا قتل اُن لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو اُن سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء، مومنین اولین، شہداء یمامہ، شہداء احد، شہداء بئر معونہ، حضرت عثمان یا خود حضرت علی۔ بلکہ حضرت علی کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے۔ برخلاف حسین کے کہ اُن کے قاتل انھیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ اُن میں سے اکثر تو آپ کے قتل کو ناپسند کرتے اور ایک بڑا گناہ تصور کرتے تھے۔ لیکن دنیا کے چلتے اِس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے جیسا کہ لوگ سلطنت کے لئے باہمی خونریزی کیا کرتے ہیں۔

اس معین شخص پر جو شراب پیتا تھا لعنت کرنے سے منع فرمایا اور سبب یہ بیان کیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ حالانکہ آپ نے عام طور پر شرابیون پر لعنت بھیجی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ کو لعنت کرنا جائز ہے۔ مگر اللہ رسول سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ اور معلوم ہے ہر مومن، اللہ رسول سے ضرور محبت رکھتا ہے۔ بکثرت صحیح حدیثون سے ثابت ہے کہ جس کے دل مین ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ آخر کار دوزخ سے نجات پائیگا۔

اس اصل کے بنا پر جو لوگ یزید کی لعنت پر زور دیتے ہین، انھین دو باتین ثابت کرنا چاہئیے :۔ اول یہ کہ یزید ایسے فاسقون اور ظالمون مین سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے۔ اور یہ کہ اپنی اسی حالت پر موت تک قایم رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالمون اور فاسقون مین سے کسی ایک کو معین کرکے لعنت کرنا روا ہے۔ یہی آیت :۔ الا لعنة الله على الظالمين(۱) تو عام ہے جیسا کہ باقی تمام آیات وعید عام ہین اور پھر ان آیتون سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟ یہی نہ کہ یہ گناہ لعنت اور عذاب کا مستوجب ہے ؟ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب

(۱) ظالمون پر خدا کی لعنت ہے

داخل ہین۔ یزید بہت سے دوسرے حکمرانون سے اچھا تھا۔ وہ عراق کے امیر "مختار بن ابی عبید الثقفی" سے کہین اچھا تھا کہ جس نے حسین کی حمایت کا علم بلند کیا۔ ان کے قاتلون سے انتقام لیا۔ مگر ساتھ ساتھ یہ دعوے بھی کیا کہ جبریل اُس کے پاس آتے ہین۔ اسی طرح یزید حجاج بن یوسف سے اچھا تھا، جو بلانزاع یزید سے کہین زیادہ ظالم تھا۔ یزید اور اُس کے جیسے دوسرے سلاطین اور خلفاء کے بارے مین زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فاسق تھے۔ لیکن کسی فاسق کو معیّن کر کے لعنت کرنا سنت نبوی مین موجود نہین۔ البتہ عام لعنت وارد ہے۔ مثلاً نبی صلعم نے فرمایا کہ "چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے"۔ یا فرمایا "جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اُس پر خدا کی لعنت" وغیرہ وغیرہ۔ احادیث یا مثلاً صحیح بخاری مین ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت صلعم کے پاس پکڑ آتا تھا۔ یہان تک کہ جب کئی پھیرے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا "اس پر خدا کی لعنت! بار بار پکڑا جاتا ہے اور باز نہین آتا۔" آنحضرت نے سنا تو فرمایا "اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے"۔ اس واقعہ مین آپ نے

ظلم سے آلودہ ضرور ہوتے ہین۔ اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانون کے اکثر مُردے لعنت کا شکار ہو جائین گے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے مُردہ پر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت کرنے کا۔ اور نبی صلعم نے فرمایا ہے "مُردون کو گالی مت دو، کیونکہ وہ اپنے کیئے کو پہونچ گئے" بلکہ جب لوگون نے ابوجہل جیسے کفار کو گالیان دینا شروع کین تو انھین منع کیا اور فرمایا "ہمارے مرے ہوؤن کو گالیان مت دو کیونکہ اس سے ہمارے زندون کو تکلیف ہوتی ہے" یہ اس لئے کہ قدرتی طور پر اُن کے مسلمان رشتہ دار برا مانتے تھے۔ امام احمد بن حنبل سے اُن کے بیٹے صالح نے کہا "آپ یزید پر لعنت کیون نہین کرتے؟" حضرت امام نے جواب دیا "تو نے اپنے باپ کو لعنت کرنے والا کب دیکھا تھا؟" آیت: فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم و اعمی ابصارھم(۱)" سے خاص یزید کی لعنت پر اصرار کرنا خلاف انصاف ہے، کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اسکی وعید اُن تمام لوگون کو شامل ہے

(۱) کیا تم سے بعید ہے کہ اگر جہاد سے پھر بیٹھو تو لگو ملک مین فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے یہی وہ لوگ ہین جنپر خدا نے لعنت کی اور انکو بہرا اور انکی آنکھون کو اندھا کر دیا ہے۔

آکر لعنت و عذاب کے اسباب کو دُور کر دیتے ہین۔ مثلاً گنہگار نے سچے دل سے توبہ کرلی۔ یا اُس سے ایسی حسنات بن آئین جو سیّئات کو مٹا دیتی ہین۔ یا ایسے مصائب پیش آئے جو گناہون کا کفارہ کر دیتے ہین۔ بنا برین کون شخص دعویٰ کرسکتا ہے کہ یزید اور اُس کے سے بادشاہون نے توبہ نہین کی، یا سیّئات کو دُور کرنے والی حسنات انجام نہین دین، یا گناہون کا کفارہ ادا نہین کر دیا، یا یہ کہ اللہ کسی حال مین بھی اُنہین نہین بخشے گا۔ حالانکہ وہ خود فرما رہا ہے "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالک لمن یشاء"(۱) پھر صحیح بخاری مین عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: "سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی اس کی بخشش ہو گی" اور معلوم ہے اسلام مین سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اُس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سُن کر ہی فوج کشی کی ہوگی۔ بسا ممکن ہے۔ لیکن اس سے اُس کے فعل پر کوئی نکتہ چینی نہین کی جا سکتی۔

پھر ہم سب یہ خوب جانتے ہین کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے

(۱) اللہ شرک کو نہین بخشیگا۔ باقی گناہون کو چاہے گا تو بخش دے گا۔

عذاب اور کہاں ایک حقیر آدمی ؟ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین، قاتلین انبیاء۔ اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب قاتل حسین سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ بلکہ عثمان کے قاتلوں کا گناہ بھی حسین کے قاتلوں سے زیادہ ہے:۔

حسین کی طرفداری میں اس غلو کا جواب ناصبیوں کا غلو ہے، جو حضرت امام کو باغی اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت نہ اس غلو کا ساتھ دیتے ہیں، نہ اُس غلو کا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں حضرت حسین مظلوم شہید ہوئے اور اُن کے قاتل ظالم اور سرکش تھے۔ کربلا میں آپ کا قصد اُمت میں پھوٹ ڈالنا نہ تھا بلکہ آپ جماعت ہی میں رہنا چاہتے تھے۔ مگر ظالموں نے آپ کی کوئی خواہش بھی پوری نہیں کی۔ نہ آپ کو وطن واپس ہونے دیا نہ سرحد پر جانے دیا نہ خود یزید کے پاس پہنچنے دیا بلکہ قید کرنے پر اصرار کیا۔ ایک معمولی مسلمان بھی اس برتاؤ کا مستحق نہیں ہو سکتا، کجا حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ ؟

اسی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ پر سفید جھوٹ ہے کہ "جس نے میرے اہل بیت کا خون بہایا اور میرے خاندان کو اذیت دے کر مجھے تکلیف پہنچائی اُس پر اللہ کا اور میرا غصہ سخت ہوگا" اس

جو ایسے افعال کے مرتکب ہون جن کا اس آیت مین ذکر ہے۔ یہ افعال صرف یزید ہی نے نہین کئے۔ بلکہ بہت سے ہاشمی، عبّاسی علوی بھی اِن کے مرتکب ہوئے ہین۔ اگر اس آیت کی رو سے اُن سب پر لعنت کرنا ضروری ہو تو اکثر مسلمانون پر لعنت ضروری ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ افعال بہت عام ہین مگر یہ فتوی کوئی بھی نہین دے سکتا۔

فصل

رہی وہ حدیث جو قاتلین حسین کے حق مین روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "حسین کا قاتل آگ کے تابوت مین ہو گا، اُس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب ہو گا، اُس کے ہاتھ پاؤن آتشین زنجیرون سے جکڑے ہونگے، وہ دوزخ مین اُلٹا اتارا جائیگا۔ یہانتک کہ اس کی تہ تک پہنچ جائیگا۔ اور اُس مین اتنی سخت بدبو ہو گی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگین گے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ مین پڑا جلتا رہے گا" تو یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے۔ اور اُن لوگون کی بنائی ہوئی ہے جو رسول اللہ پر تہمت باندھنے سے نہین شرماتے۔ کہان آدھی دوزخ کا

دیں گے کہ جوان کا خون بہائیگا۔ اس پر خدا کا غصہ بھڑکے گا۔ کیونکہ یہ بات پہلے ہی سے مسلّم ہے کہ ناحق قتل، خدا کی شریعت میں حرام ہے عام اس سے کہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا۔ لیکن ناحق کے ساتھ قتل کرنے میں خدا غصہ نہیں ہوتا، عام اس سے کہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا۔ فرمایا:۔ "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزائہ جہنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا الیما"[1] پس قتل کی اہانت وحرمت میں ہاشمی غیر ہاشمی سب مسلمان یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلعم کو تکلیف دینا حرام ہے عام اس سے کہ آپ کے خاندان کو تکلیف دے کر ہو یا امت کو ستا کر یا سنت کو توڑ کر۔ اب واضح ہو گیا کہ اس طرح کی بے بنیاد حدیثیں جاہلوں اور منافقوں کے سوا کوئی باور نہیں کر سکتا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ رسول اللہ صلعم حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے نیک سلوک کی مسلمانوں کو ہمیشہ وصیت کرتے اور فرماتے تھے "یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں"۔ بالکل غلط ہے۔ بلاشبہ حسنین رضی اللہ عنہما کا حق واجب ہے اور احادیث صحیحہ سے

(۱) جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیگا۔ خدا اس پر غصہ ہوگا، لعنت کریگا اور اس کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

طرح کی بات کوئی جاہل ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ محض رشتہ اور قرابت سے زیادہ ایمان اور تقویٰ کی حرمت ہے۔ اگر اہل بیت مین سے کوئی ایسا شخص جرم کرے جس پر شرعاً اُس کا قتل واجب ہو تو بالاتفاق اُسے بے تکلف قتل کر ڈالا جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی ہاشمی چوری کرے تو یقیناً اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ اگر زنا کا مرتکب ہو تو سنگسار کر دیا جائے گا۔ اگر جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالے تو قصاص مین اس کی بھی گردن ماری جائے گی۔ اگرچہ مقتول حبشی، رومی، ترکی، دیلمی، کوئی ہو۔ کیونکہ نبی صلعم نے فرمایا ہے "تمام مسلمانون کے خون کی حرمت یکسان ہے"

پس ہاشمی اور غیر ھاشمی مسلمان کا خون برابر ہے۔ نیز فرمایا اگلی قومین اس طرح ہلاک ہوئین کہ اگر ان مین کوئی معزز آدمی چوری کرتا تھا تو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر معمولی آدمی جرم کرتا تھا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو مین اسکا ہاتھ کاٹ ڈالون گا"۔ اس مین آپ نے تشریح کر دی ہے کہ اگر آپ کا قریب سے قریب عزیز بھی جرم سے آلودہ ہوگا تو اُسے شرعی سزا ضرور دی جائیگی۔

پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ یہ کہکر اپنے خاندان کو خصوصیت

اپنے والدین کی گود میں تھے، اور جب بالغ ہوئے تو آور سب آدمیوں کی طرح خود مختار اور اپنے ذمہ دار ہو گئے۔ اگر یہ مطلب بیان کیا جائے کہ آنحضرت نے امت کو ان کی حفاظت وحراست کا حکم دیا تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ امت کسی کو مصیبت سے بچا نہیں سکتی۔ وہ صرف خدا ہی ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کہا جائے اس سے آپ کی غرض انکی حمایت ونصرت تھی تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر مسلمان کو دوسرے مظلوم مسلمان کی حمایت ونصرت کرنی چاہئے اور ظاہر ہے حسنینؓ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آیت قُل لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا ٱلْمَوَدَّةَ فِى ٱلْقُرْبَىٰ (۱) حسنینؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، بالکل جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ آیت سورۂ شوریٰ کی ہے اور سورۂ شوریٰ مکّی ہے اور حسنین کیا معنے حضرت فاطمہ کی شادی سے پہلے اتری ہے۔ آپ کا عقد ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں ہوا۔ اور حسنؓ وحسینؓ ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال پیدا ہوئے ہیں۔ پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ آیت اُن کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟

---

(۱) میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا ہوں۔ صرف رشتہ داری کی محبت چاہتا ہوں۔

ثابت ہے کہ نبی صلعم نے مکہ مدینہ کے مابین "خم غدیر" میں خطبہ دیا۔ اور مسلمانوں سے فرمایا" میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں: کتاب اللہ اور اپنی عترت، اہل بیت" پھر دونوں سے اچھی برتاؤ کا حکم دیا ؛

بلاشبہ حضرت حسن حسین اہل بیت میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ جیساکہ حدیث صحیح میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی چادر علی فاطمہ اور حسن وحسین (رضی اللہ عنہم) پر پھیلائی اور فرمایا" الٰہی! یہ ہیں میرے اہل بیت، ان سے گندگی دور کر دے اور انھیں پوری طرح پاک صاف کردے" یہ سب سچ ہے لیکن نبی صلعم نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ "حسنین تمہارے پاس میری امانت ہیں" آنحضرت کا مقام اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ اپنی اولاد مخلوق کو سونپیں ؛

ایسا کہنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں :- یا یہ کہ جس طرح مال امانت رکھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ تو یہ صورت تو ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ مال کی طرح آدمی امانت رکھے نہیں جا سکتے یا یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح بچوں کو مربیوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔ تو یہ صورت بھی یہاں درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بچپن میں حسنین

حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے نبی صلعم سے پوچھا "کون عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا "اپنے اوقات میں نماز" عرض کی پھر کون؟ فرمایا "راہ خدا میں جہاد"

اسی لئے رسول اللہ صلعم، خلفاء راشدین اور ان کے پیرو اموی و عباسی خلفاء کی سنت یہی تھی کہ ایمان کی ان دونوں اصلوں: صلوٰۃ و جہاد میں امام ایک ہی شخص ہوتا تھا۔ جو نماز میں مسلمانوں کی امامت کرتا تھا، وہی جہاد میں بھی انکا قائد و سپہ سالار ہوتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے شہری حکام مثلاً عتاب بن اسید امیر مکہ اور عثمان بن ابی العاص امیر طائف ایک طرف نماز کے امام تھے اور دوسری طرف حدود شرعیہ قایم کرتے تھے۔ اسی طرح آپ کے فوجی امراء مثلاً زید بن حارثہ، اسامہ بن زید، عمرو بن العاص وغیرھم فوج کے سپہ سالار بھی تھے اور نماز کے امام بھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیق کو خلیفہ منتخب کیا اور کہا چونکہ رسول اللہ نے انھیں مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کیا تھا اس لئے آپ کی منشاء یہی تھی کہ وہ مسلمانوں کی عام امامت و حکومت میں بھی امام ہوں۔ حضرت ابو بکر کے تمام امراء و حکام مثلاً یزید بن ابی سفیان، خالد بن الولید، شرجیل بن حسنہ، عمرو بن العاص وغیرھم جنگ کے بھی امام تھے۔

رسالہ مساجد

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے تحریر کیا ہے :

دین کا قیام تین چیزوں پر موقوف ہے : کتاب (قرآن) میزان (عدل و انصاف) اور آہن (مادی قوت) کتاب دنیا کے لئے علم و دین و ہدایت کا سرچشمہ ہے ۔ میزان سے عدل و انصاف و حقوق کا قیام ہے ۔ اور آہن (لوہے) سے کفار و منافقین کی سرکوبی ہوتی ہے ۔ کتاب کی امتیازی خصوصیت نماز ہے اور آہن کی جہاد ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر آیات و احادیث ، نماز اور جہاد ہی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ۔ حتیٰ کہ مریض کی عیادت کے لئے بھی آنحضرت تشریف لیجاتے تھے تو دعا میں کہتے تھے "الٰہی اپنے بندے کو چنگا کر دے تاکہ تیری نماز ادا کرے اور تیرے دشمن کا سینہ چھید دے" اور فرمایا "اسلام کی ریڑھ کی ہڈی نماز ہے اور اس کی چوٹی ، جہاد ہے" یہی سبب ہے کہ قرآن میں متعدد جگہ صلوٰۃ و جہاد کا ذکر کیا گیا ہے ۔ نماز ، اوّل اعمالِ اسلام اور اصل اعمال ایمان ہے ۔ اسی لئے اُسے خود لفظ ایمان سے موسوم کیا ہے ۔ فرمایا "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" یعنی بیت المقدس کی طرف تمہاری نماز کو خدا ضائع کرنے والا نہیں ۔ سلف سے یہی تفسیر منقول ہے ۔

خلفاء اور امراء عام مسلمانوں کی طرح اپنے گھروں میں رہتے تھے لیکن ان کی اصلی نشست، جامع مسجد ہی میں ہوتی تھی۔ لیکن جب کوفہ میں سعد بن ابی وقّاص نے اس سنت میں تساہل کیا اور اپنے لئے محل بنوایا تاکہ لوگوں کے ہجوم سے بچیں تو حضرت عمر کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ حاکم اپنی رعایا سے پردہ کرے۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ اُن کا محل جلادیں۔ چنانچہ وہ آئے اور آگ لگادی۔

مسجدیں چھوڑکر رعایا سے پردہ کرنے کا طریقہ سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان نے ایجاد کیا۔ وہ ڈرتے تھے اُسی طرح مار نہ ڈالے جائیں جس طرح حضرت علی مارے جاچکے تھے۔ بعد کے شاہ نما خلفاء نے اس کی تقلید کی۔ بڑے بڑے محل بنائے اور حشم خدم کی حفاظت میں رہنے لگے۔ لیکن باوجود اس کے جہاد و صلوٰۃ کی امامت برابر کرتے تھے۔

لیکن اچھے دن جلد نکل گئے۔ اُمت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہر گروہ نے اپنی من گھڑت بدعتوں کے ساتھ دین کی ایک ایک شاخ لیلی اور دوسری اہم شاخیں چھوڑدیں۔ بادشاہوں نے مسجدیں چھوڑکر قلعے اور گڑھ بنالئے۔ حالانکہ پہلے قلعے شہروں میں نہیں صرف سرحدوں پر بنائے جاتے تھے تاکہ دشمن اچانک نہ آدھمکے۔ اسی طرح اہل علم نے

اور نماز کے بھی۔

حضرت عمر فاروق کے زمانہ مین اسلام پھیلا، مومنون کی کثرت ہوئی۔ کفار پر غالب آئے، اُن کی سلطنتون کے مالک بنے تو نئے انتظامات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن باوجود ان کے نماز اور جہاد کا معاملہ ایک ہی شخص کے ہاتھ مین رہا۔ چنانچہ کوفہ مین عبداللہ بن مسعود کے ذمہ عدالت اور بیت المال کے محکمے تھے۔ عثمان بن حنیف کے ہاتھ مین خراج تھا۔ لیکن جنگ اور نماز کی امامت ایک ہی شخص عمّار بن یاسر کے ہاتھ مین تھی۔

صدر اول مین مسجدین ہی ائمہ وحکام کی بیٹھکین اور امت کی انجمنین تھین۔ نبی صلعم نے اپنی مسجد مبارک کی بنیاد، تقویٰ پر رکھی تھی۔ اُس مین نماز بھی ہوتی تھی، قرأت بھی، ذکر بھی، تعلیم بھی، تقریر بھی، سیاست بھی، جنگی انتظامات بھی، شہری ترتیبات بھی۔ مسلمانون کے سامنے کوئی دینی یا دنیاوی مشکل پیش آتی تھی تو مسجد ہی مین جمع ہوجاتے تھے۔ یہ حال صرف مدینہ کی مسجد نبوی ہی کا نہ تھا بلکہ مکہ، طائف اور یمن وغیرہ شہرون، ملکون اور بدوی علاقون مین بھی آپکے عاملون اور عہدہ دارون کا یہی دستور تھا کہ مسجدون ہی مین بیٹھتے تھے نماز بھی پڑھتے تھے اور معاملات حکومت بھی انجام دیتے تھے۔

مسجدیں چھوڑ دیں اور مدرسے ایجاد کیے۔ اہل عبادت و ریاضت نے خانقاہیں بنائیں۔ میرے خیال میں اس کا آغاز عہد سلجوقی سے ہوا ہے۔ نظام الملک کے زمانہ میں سب سے پہلے خانقاہیں بنائی گئیں اور ان پر جائدادیں وقف کی گئیں۔ بیشک اس عہد سے سو برس پہلے بھی مدرسوں اور محتاج خانوں کا ذکر ملتا ہے لیکن میرے خیال میں ان پر جائدادیں وقف نہیں تھیں بلکہ یہ جائیں طالب علموں اور فقیروں کے پناہ لینے کے لئے بنائی گئی تھیں۔ امام معمر بن زیاد نے "اخبار الصوفیہ" میں لکھا ہے کہ صوفیوں کے لئے سب سے پہلی خانقاہ بصرہ میں تعمیر کی گئی تھی۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ مدرسوں کا ذکر میں نے چوتھی صدی کے حالات میں بھی پڑھا ہے۔ یعنی سلجوقیوں سے سو برس پہلے۔ اندرون شام میں قلعوں کی تعمیر بعد کا واقعہ ہے۔ دمشق و بصریٰ اور حرّان کے قلعے ملک عادل نے تعمیر کیے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ عیسائیوں کی یلغار برابر جاری تھی۔

واللہ اعلم

سلسلۂ اشاعت نمبر ۵

حسین و یزید

از

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ

مترجمہ

عبدالرزاق ملیح آبادی

قیمت ۵ر